© rasailojaraid.com

دار العلوم دیوبند
کی
تعلیمی خصوصیات

از

(جناب سید محبوب صاحب رضوی کیٹلاگر کتب خانہ دار العلوم دیوبند)

تعلیم جس قدر سادہ اور مختصر سا لفظ ہے اتنا ہی اہم اور روح کی گہرائی تک کو متاثر کرنے والا ہے، تعلیم محض نقوش، حروف، خطوط، آواز، بولیوں اور چھوٹی بڑی کتابوں کا نام نہیں ہے بلکہ ایک ایسی ذہنی و دماغی اور عملی تربیت کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان کی فطری قوت و صلاحیت کو اُبھار کر سنوارنا اور منظم کرنا ہے اور انسانی جذبات و حسیات کو ایک عمدہ اور اعلیٰ نصب العین کے تحت لاکر مہذب اور شائستہ بنانا ہے۔ تاکہ نوعِ انسانی کے لئے مفید ثمرات و نتائج بروئے کار لائے جا سکیں انسان کو اس کی اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال سکھانا بہت دشوار ہے، اور جس قدر دشوار ہے اسی قدر ضروری بھی ہے، بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ اگر تعلیم صرف نہ جانی ہوئی چیزوں کی واقفیت تک محدود ہو تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن اگر اسے عمل کا پابند بنا دیا جائے تو پھر اس کی دشواریاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں، ہر چند علم کی قدر دنیا کی ہر قوم کرتی ہے، لیکن علم کی نسبت مسلمانوں کا جو نظریہ ہے وہ دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، غیر مسلم علم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں قوت و عظمت اور ترقی و برتری حاصل کریں لیکن مسلمانوں کے نزدیک حصولِ علم ایک فرض ہے جس کو پورا کرکے مسلمان علاوہ دنیوی مفاد کے اخروی نجات بھی حاصل کرتا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة یعنی ہر مسلمان مرد و عورت پر علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کرنا فرض ہے، یہ فرضیت عمل ہی کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے اور ہر شخص پر بقدر ضرورت واجب ہے،

ہر ترقی کرنے والی قوم کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اس کی ترقی کا راز اس قوم کے عوام کے تعلیم یافتہ ہونے میں مضمر ہوتا ہے، اور یہ اس وقت تک آسان نہیں جب تک تعلیم کا مفت انتظام نہ ہو صدہا برس کے تجربہ کے بعد بیسویں صدی کے بڑے بڑے ماہرین تعلیم بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عوام کی تعلیم مفت ہونی چاہئے اور جب تک یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے گا تعلیم کا عام ہونا مشکل ہے!

ہمارا قدیم نظام تعلیم

لیکن ہمارے قدیم تعلیمی نظام میں ہمیشہ سے اسی اصول پر عمل درآمد رہا ہے، چنانچہ ان مدارس میں تعلیم کا جو نہج اختیار کیا گیا تھا اس میں تعلیمی مصارف کو طلباء کے بجائے درسگاہوں کے ذمہ رکھا گیا ہے اس تعلیمی نظام میں تعلیم پر کوئی فیس عائد نہ تھی اور نہ صرف یہ بلکہ طلباء کے لئے زیرِ درس اور معلوماتِ عامہ کے لئے کتابوں کا انتظام بھی مفت ہوتا تھا، پھر نہ صرف یہ کہ تعلیم مفت تھی، اور قیام گاہ (بورڈنگ ہاؤس) کا کوئی کرایہ نہیں لیا جاتا تھا بلکہ نادار اور غریب طلباء کو درسگاہوں کی جانب سے کھانا کپڑا اور دوسری ضروریات کے لئے نقد وظائف بھی دئے جاتے تھے

اس کے علاوہ مدارسِ عربیہ میں حصولِ علم پر کبھی کوئی ایسی پابندی بھی عائد نہیں کی گئی جس کے ذریعہ قوم کے کچھ افراد پر تعلیم و تعلّم کے دروازے بند کر دئے گئے ہوں، بلکہ ان میں ہر وہ شخص جس کو اکتسابِ علم کا کچھ بھی ذوق ہوتا بغیر کسی رکاوٹ کے علم حاصل کر سکتا تھا، عمر اور پیشہ کی قید سے ہمارے مدارس ہمیشہ آزاد رہے ہیں اور ان میں رنگ و نسل، امیر و غریب اور آزاد و غلام کے مابین کوئی امتیازی فرق روا نہیں رہا ہے، اس بنا پر ہر شخص کے لئے خواہ وہ کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کتنا ہی کم مقدور کیوں نہ ہو بلاتکلف اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی راہیں ہمیشہ کھلی رہی ہیں، مسلمانوں کی علمی تاریخ میں بے شمار ایسے علماء و فضلاء ملیں گے جو آبائی طور پر مختلف ادنیٰ و اعلیٰ پیشوں سے تعلق رکھتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادنیٰ پیشوں سے تعلیم کی پابندی اٹھانا یورپ نے درحقیقت مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے، اور جس چیز کا سہرا یورپ کے سر باندھا جا رہا ہے اگر مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مدارسِ عربیہ ہی کا پرتو ہے البتہ عمر کی قید اُٹھا دینے کا فلسفہ ابھی دنیا کو ان مدارس سے سیکھنا باقی ہے، اور گو "تعلیم بالغان" کی شکل میں اس کی داغ بیل پڑ چکی ہے تاہم حصولِ سند میں ابھی تک اس پر پابندی موجود ہے، بایں ہمہ اب وہ زمانہ زیادہ دور نہیں معلوم ہوتا جبکہ دنیا کی یونیورسٹیوں سے یہ لعنت بھی اٹھا دی جائے گی،

دارالعلوم کی تعلیم ہمارے قدیم نظامِ تعلیم کی یہی روایات دارالعلوم کا طرۂ امتیاز ہیں، یہاں بھی طلباءً سے تعلیمی فیس نہیں لی جاتی، مستطیع اور ضرورت مند طلباء کو دارالعلوم کی جانب سے کھانا کپڑا اور نقد وظائف دئے جاتے ہیں، کتابیں اور قیام کے لئے جگہ ہر مستطیع اور غیر مستطیع طالب علم کے لئے مفت مہیا کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی تعلیم صرف دولتمندوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی ہے بلکہ غریب سے غریب شخص بھی اس کے ذریعہ سے اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر سکتا ہے اس کا فیض عام اور بقدر استعداد تام ہے۔

تعلیمی آزادی دارالعلوم ہی ہندوستان میں وہ سب سے پہلی درسگاہ ہے جس نے "آزاد طریقِ تعلیم" کو پیش کیا، اور سیاسی غلامی کی فضا میں ملت کی ذہنی آزادی کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کی، اگرچہ یہ کام بہت مشکل تھا مگر دارالعلوم نے بعونہ تعالیٰ اس پر عمل کرکے اس مشکل کو آسان بنا دیا، دارالعلوم کی یہ وہ خصوصیت ہے جو بہت کم درسگاہوں میں پائی جاتی ہے،

دارالعلوم نے برطانوی حکومت کی پیش کش کے باوجود کبھی اس کی امداد قبول نہیں کی اس لئے وہ بہت سی ایسی پابندیوں سے آزاد رہا ہے جو سرکاری "زرِ امداد" کے ساتھ ساتھ آتی لازمی ہیں بعض لوگوں کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ جب حکومت دارالعلوم کو گرانقدر مالی امداد دینے پر آمادہ تھی تو اس کو قبول امداد میں احتراز و انکار مناسب نہ تھا، قوم خواہ کتنی ہی فیاضی دکھائے مگر پھر بھی وہ حکومت کی بیش قرار امداد (گرانٹ) کا مقابلہ نہیں کر سکتی، ان لوگوں کی نظر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غالباً اس امر پر نہیں گئی کہ مدارسِ عربیہ کو حکومت کے اثر سے اس لئے آزاد رکھنا ضروری ہے کہ حکومت خواہ مسلمانوں ہی کی کیوں نہ ہو جب تک وہ خالص اسلامی طرز کی حکومت نہ ہو اس کی سیاست بے لاگ اور بے غل و غش نہیں ہو سکتی، اور مدارسِ عربیہ کے لئے ایسی تعلیم درکار ہے جو ہر قسم کے غیر اسلامی اثر اور خارجی عمل دخل سے بالکلیہ آزاد ہو،

آج ہماری قومی بد قسمتی سے تعلیم کا مقصد یہ ہو کر رہ گیا ہے کہ اُس کے ذریعہ سے کوئی اچھی اور پُر منفعت ملازمت حاصل کر کے معقول روزی کمائی جائے، گویا تعلیم کا مفہوم ہی سرے سے بدل ڈالا گیا ہے، اور "علم برائے علم" کے بجائے اب صرف حصولِ معاش کے دوسرے بہت سے ذرائع کی طرح یہ بھی ایک ذریعہ بن کر رہ گیا ہے مگر بحمداللہ دارالعلوم کے طلباء کے سامنے حصولِ علم کا یہ مقصد کبھی نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کے سامنے یہ مقصد نہ ہوگا وہ یونیورسٹی کے بجائے دارالعلوم کا رخ ہی کیوں کرے گا، جس کی سند کی قیمت حکومت کی نظر میں کھوٹے سکے سے زائد نہیں ہے ایک مرتبہ صوبہ متحدہ کے گورنر سر جیمز مسٹن نے جب کہ وہ دارالعلوم کے معائنہ کی غرض سے یہاں آئے تھے دیوبند سے دور دراز کے ایک طالب علم سے سوال کیا تھا

"اتنی دور سے تمہارے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟"

طالب علم نے بے ساختہ جواب دیا کہ

"میں یہاں اس لئے پڑھنے آیا ہوں تاکہ واپس جاکر اپنے وطن کے لوگوں کی دینی خدمت انجام دے سکوں!"

دارالعلوم کے نصابِ تعلیم سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ "السنۃ مشرقیہ" کے سرکاری امتحانات "مولوی فاضل" وغیرہ کے معیار سے کہیں زیادہ بلند پایہ ہے، اس لئے اگر دارالعلوم چاہتا تو حکومت سے بآسانی اپنی سند کو مولوی فاضل کے مساوی تسلیم کرا سکتا تھا مگر اس نے اپنی سند کو سرکاری محکموں کی ملازمت کے لئے "پروانۂ راہداری" بنانے کے بجائے اس امر کو زیادہ مناسب سمجھا کہ وہ طلباء میں ایسی علمی قابلیت و فضیلت پیدا کر دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ لوگ اس کے طالب علم اور اس کی سند کو دیکھتے ہی یہ باور کرلیں کہ یہ کوئی کام کی چیز ہے اور یہ شخص دین کے جس کام کو اپنے ذمہ لے گا اس کو قابلیت اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکے گا،

کتابوار نظام تعلیم | مدارس عربیہ اور بالخصوص دارالعلوم کے نظام تعلیم میں ایک خصوصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے یونیورسٹی نظام میں ابھی تک اس کی افادیت پر توجہ نہیں کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ "جماعت وار نظام تعلیم" جو عام طور پر علمی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے اس کے بجائے دارالعلوم میں "کتاب وار نظام تعلیم" اختیار کیا گیا ہے یعنی ہمارے مدارس میں "جماعت بندی" (کلاس سسٹم) نہیں ہے بلکہ طلبار کو تعلیمی لحاظ سے کتابوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، اگر یہ بتلانا ہو کہ طالب علم تعلیمی استعداد کے لحاظ سے کس دور سے گذر رہا ہے تو جماعت کا نام لینے کے بجائے یہ کہا جائے گا کہ وہ فلاں فلاں کتاب پڑھ چکا ہے یا پڑھ رہا ہے سالانہ تعلیمی ترقی میں بھی درجات کے بجائے کتابوں ہی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، سالانہ امتحان میں اگر طالب علم ایک یا دو کتابوں میں فیل ہو جاتا ہے اور بقیہ میں پاس تو وہ کتابیں جن میں طالب علم فیل ہوا ہے ان کتابوں کی سالانہ ترقی میں حارج نہیں ہوتیں جن میں اس نے کامیابی حاصل کرلی ہو، جن کتابوں میں طالب علم ناکام ہوتا ہے سال آئندہ میں صرف ان ہی کتابوں کا اسے اعادہ کرنا ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ ایک یا دو کتاب کی ناکامی کے باعث کامیاب شدہ کتابوں کے اعادہ پر بھی مجبور کیا جائے، جیسا کہ یونیورسٹی نظام میں بالعموم ہوتا ہے، اس نظام تعلیم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں بہت ہی کم طلباء ایسے نکلتے ہیں جو ساری کتابوں میں ناکام ہوں اس لئے طالب علم کی نفسیات پر اس کا یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ اسے اپنی جزئی ناکامی کا اس شدت سے احساس نہیں ہونے پاتا جس شدت سے جماعت وار نظام کی کلی ناکامی میں ہوتا ہے، اس کا نتیجہ جہاں ایک طرف یہ نکلتا ہے کہ طالب علم میں بددلی ہونے نہیں پاتی وہیں دوسری جانب اس کی مدت اور مصارف تعلیم میں بھی فی الجملہ وقت اور روپیہ کی کفایت ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے برخلاف "جماعتوار نظامِ تعلیم" میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ امتحان میں فیل ہو جانے کی وجہ سے بعض طلباء میں ایسی بے رغبتی اور بددلی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تعلیم ہی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو امتحان کی ناکامی محنتی اور غیور طلباء میں خطرناک نتائج تک پیدا کر دینے کا باعث بن جاتی ہے، اور طالب علم اپنے آپ کو شرمندگی سے بچانے کے لئے خودکشی تک کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے،

کتاب وار تعلیمی نظام میں بالعموم ان میں سے کوئی بات پیش نہیں آتی، ذیل میں سنہ ۱۳۵۱ھ سے سنہ ۱۳۶۰ھ تک دارالعلوم کے دس سال کے امتحان کے نتائج کا گوشوارہ پیش کش ہے گوشوارہ کے تعداد طلباء کے خانہ میں طلباء کی وہ تعداد درج ہے جو شروع سال میں موجود ہوتی ہے، دارالعلوم میں داخلہ شوال میں ہوتا ہے اور امتحان سن آئندہ کے شعبان میں، درمیان میں طلباء کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی ہے ——— اس کے بعد کے خانہ میں جو تعداد درج کی گئی ہے وہ شعبان میں سالانہ امتحان کے زمانہ میں موجود طلباء کی ہے۔

ناکام طلباء کی تعداد میں وہ طلباء بھی شامل ہیں جو عین امتحان کے زمانہ میں بیمار ہو گئے یا امتحان کے دوران میں کسی وجہ سے غیر حاضر رہے ——— نتیجہ فی صد میں ان سب کو شامل کر لیا گیا ہے، اگر ان کو محسوب نہ کیا جائے (جیسا کہ اصولاً ضروری ہے) تو کامیابی کا معیار اور زیادہ بڑھ جائے گا!

گوشوارہ برصفحہ آئندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتائج امتحان کا دس سالہ گوشوارہ

نمبر شمار	سن	تعداد طلباء	شریک امتحان	کامیاب	ناکام	نتیجہ فیصد
۱	سنہ ۱۳۵۰ھ	۱۹۴۲	۱۰۰۶	۸۷۳	۱۳۳	۸۷
۲	سنہ ۱۳۵۱ھ	۱۱۴۰	۱۱۳۸	۱۰۶۹	۶۹	۹۴
۳	سنہ ۱۳۵۲ھ	۱۰۹۰	۱۰۰۰	۹۲۶	۷۴	۹۳
۴	سنہ ۱۳۵۳ھ	۱۱۴۲	۱۰۱۳	۸۶۱	۱۵۲	۸۵
۵	سنہ ۱۳۵۴ھ	۱۱۱۴	۱۰۷۶	۸۶۰	۲۱۶	۷۱
۶	سنہ ۱۳۵۵ھ	۱۱۹۶	۱۰۱۴	۸۵۳	۱۶۱	۸۴
۷	سنہ ۱۳۵۶ھ	۱۲۲۶	۱۰۷۶	۱۰۰۴	۷۲	۹۳
۸	سنہ ۱۳۵۷ھ	۱۴۱۶	۱۲۵۵	۱۱۶۶	۸۹	۹۳
۹	سنہ ۱۳۵۸ھ	۱۴۹۳	۱۱۹۸	۱۱۲۱	۷۷	۹۴
۱۰	سنہ ۱۳۵۹ھ	۱۴۲۲	۱۲۳۱	۱۱۴۸	۸۳	۹۳

دس سال کے ان نتائج میں کامیابی کا عام معیار ۸۴ سے ۹۴ فیصد ہے البتہ سنہ ۱۳۵۴ھ میں ۷۱ فیصد تک گر گیا ہے اس کا خاص سبب یہ ہے کہ وبائی امراض کی کثرت کی وجہ سے بیشتر طلباء امتحان میں شرکت نہیں کر سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امتحان | یہ کہنا تو آسان نہیں ہے کہ مدارس عربیہ میں امتحانات کا طریقہ عموماً مروج تھا، تاہم بعض مدارس کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اُن میں طلبہ کا سالانہ امتحان لیا جاتا تھا، چنانچہ بیجاپور کی تاریخ بستان السلاطین میں وہاں کے مدارس کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

" امتحان بتاریخ سلخ ذی الحجہ می شد "

یعنی ذی الحجہ کے ختم پر طلباء کا امتحان ہوتا تھا، ایک دوسری جگہ اسی کتاب میں امتحان کے سالانہ ہونے کی بھی تصریح ہے لکھا ہے :-

" ہر سال امتحان می شد " (بحوالہ نظام تعلیم و تربیت ص ۱۱۴ ج اول)

مگر قیام دارالعلوم کے قریبی زمانہ میں یہ رواج متروک ہو چکا تھا اور مدارس عربیہ میں سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان کا طریقہ جو طالب علم کی استعداد و محنت و جانفشانی کے اندازہ کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے مروج نہیں تھا طالب علم جب استاد سے ایک کتاب پڑھ چکتا تو اس سے مافوق دوسری کتاب بغیر امتحان لئے شروع کرا دی جاتی تھی، ظاہر ہے کہ اس میں طالب علم کی استعداد کے جانچنے اور پرکھنے کا کوئی موقع نہ تھا، اور بسا اوقات ناقابل طالب علم بھی ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا تھا، دارالعلوم نے اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس طریقہ کو ختم کر کے سہ ماہی ششماہی اور سالانہ امتحان کو لازمی قرار دے دیا۔

دارالعلوم میں امتحان کے سلسلہ میں جو قواعد مروج ہیں وہ فی الجملہ یونیورسٹیوں کے امتحانات سے زیادہ سخت ہیں یونیورسٹی کے امتحان میں ایک مضمون سے متعلق متعدد سوالات ہوتے ہیں، اور ہر سوال کے نمبر متعین ہوتے ہیں، نیز طالب علم کو اس کا حق بھی ہوتا ہے کہ جواب کے لئے ان میں سے اپنی مرضی کے مطابق سوالات کا انتخاب کرے، پورے سوالات کے جوابات دینے لازمی نہیں ہوتے، لیکن دارالعلوم کے امتحان میں ہر کتاب سے متعلق ۳ سوال ہوتے ہیں اور ہر پرچہ میں تینوں کا حل کرنا اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ تینوں کے نمبر مشترکہ ہوتے ہیں اگر ایک سوال بھی چھوڑ دیا جائے تو طالب علم فیل ہو جاتا ہے، کامیابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نمبروں کا معیار ۸۰ فی صد رکھا گیا ہے جو یونیورسٹیوں کے ۳۳ فی صد سے کہیں زیادہ ہے البتہ اگر کسی کتاب میں اس معیار سے کم نمبر مل سکے ہوں تو اس صورت میں طالب علم کو مافوق کتاب پڑھنے کی اس شرط کے ساتھ اجازت مل جاتی ہے کہ اس کتاب میں مکرر سالانہ امتحان دے کر کامیابی حاصل کرتی ہوگی، گویا یونیورسٹی کی موجودہ اصطلاح میں اس کو کمپارٹمنٹ سمجھنا چاہئے۔

اس کے علاوہ یونیورسٹی کے امتحان کے پرچوں میں بعض کتابوں کے گروپ بھی مقرر کر دئے جاتے ہیں مثلاً دو مضمون کی کتابیں ساتھ ساتھ ایک گروپ میں شامل کر دی جاتی ہیں اور دونوں میں مجموعی طور پر کامیابی کے نمبر حاصل کرنے ہوتے ہیں جو کم از کم ۳۳ فی صد ہونے چاہئیں، اب خواہ دونوں میں نمبر برابر ہوں یا کم و بیش، مثلاً ایک میں ۲۰ اور دوسری میں ۱۳ تو کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا، اس میں یہ سہولت ہے کہ طالب علم کو دونوں کتابوں میں سے اگر کسی ایک کتاب سے بھی مناسبت ہے تو دوسری میں معمولی شُد بُد سے بھی کام نکل جاتا ہے

مادری زبان میں تعلیم | دارالعلوم کی ایک اور خصوصیت جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یہاں درس و تعلیم کی زبان اردو قرار دی گئی ہے جو پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، کتابیں عربی زبان میں ہیں، مگر اساتذہ کی تقریریں اردو میں ہوتی ہیں علوم و فنون کی تعلیم میں مادری زبان کو جو اہمیت حاصل ہے اس کو یونیورسٹی کے نظام تعلیم میں بڑی مدت کے بعد سمجھا جا سکا ہے یہ حقیقت ہے کہ علمی مسائل جس آسانی سے مادری زبان میں سمجھ میں آتے ہیں اور حافظہ میں محفوظ رہتے ہیں وہ دوسری زبان میں ممکن نہیں ہے، مگر انگریزی اقتدار کے غلبہ نے قوم کے دماغوں کو اس قدر متأثر اور مغلوب کر دیا تھا کہ وہ ایک عرصہ تک اس حقیقت کا سراغ نہ پا سکی ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت کو سب سے پہلے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اور جامعہ ملیہ دہلی نے محسوس کیا اور اس پر عمل درآمد شروع کر دیا جس میں دونوں جگہ نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، اور انھوں نے دوسری یونیورسٹیوں کے لئے ایک قابلِ تقلید

© rasailojaraid.com

مثال پیش کردی ہے، اور اب تو ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی جانب سے یہ مطالبہ عام ہوتا جارہا ہے کہ اُن میں ذریعۂ تعلیم مادری زبان قرار دی جائے، عثمانیہ یونیورسٹی نے اس سلسلہ میں دار الترجمہ قایم کرکے انگریزی اور عربی وفارسی کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کراکر اردو کے علمی سرمایہ میں بیش قرار اضافہ کر دیا ہے اسی طرح جامعہ ملیہ نے بھی اس سلسلہ میں قابل تعریف کام انجام دیا ہے،

بہرحال اس سلسلہ میں اولیت کا سہرا دار العلوم ہی کے سر ہے، ہمارے اکابر کی دوررس نظروں نے جس چیز کو سو سال پہلے سمجھ لیا تھا بیسویں صدی کے ماہرین تعلیم بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہوئے ہیں،

اردو کی اشاعت و ترویج | یہ تو اس مسئلہ کا تعلیمی پہلو تھا، لیکن اس کے علاوہ اس کا ایک لسانی پہلو بھی ہے وہ یہ کہ دار العلوم میں اردو کے درسی زبان ہونے سے اردو کو جو عظیم الشان فائدہ پہنچا ہے گو اس پر اردو کے ترقی و اشاعت کے حلقوں کی ابھی تک نظر نہیں گئی ہے تاہم اس کے نتائج و ثمرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا، وہ یہ ہے کہ دار العلوم چونکہ عالمِ اسلامی کے مسلمانوں کی مرکزی درسگاہ ہے اور اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے علاوہ مختلف ممالک کے طلباء تحصیلِ علم کی غرض سے آتے ہیں جو اپنے دورانِ قیام میں خاصی اردو سیکھ جاتے ہیں، چنانچہ چند سال کی بات ہے کہ ایک صاحب جنہوں نے مختلف ممالک کی سیاحت کی تھی دار العلوم میں آئے تھے وہ کہتے تھے کہ "میں جب بخارا پہنچا جو وسط ایشیا کا مشہور مقام ہے تو وہاں ایک ایسے شخص سے میری ملاقات ہوئی جس نے مجھے ہندوستانی سمجھ کر ہمدردانہ لہجہ میں اردو میں مجھ سے گفتگو کی، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہندوستان سے اس قدر دور اتنی صاف اردو اس کو کیوں کر آئی ہوگی، میرے دریافت کرنے پر اس نے بتلایا کہ "یہ دار العلوم کا فیض ہے"، اور میں ہی نہیں بلکہ یہاں کا علمی حلقہ بالعموم اردو سمجھتا اور بولتا ہے اس شخص نے نہایت اخلاق اور محبت سے مجھے اپنے یہاں مہمان ٹھہرایا اور میرے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی دی، جس کی یہ خصوصیت

© rasailojaraid.com

میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ اُس میں جس نے بھی تقریر کی وہ میری خاطر سے اردو میں کی "

غرض کہ اس طرح دار العلوم نے اردو کے دائرہ کو اپنے طلباء کے ذریعہ دنیا کے تقریباً تمام ایشیائی ممالک تک وسیع کر دیا ہے،

تربیت اخلاق | دار العلوم کی یہ خصوصیت بھی اسے دوسری درسگاہوں سے ممتاز کرتی ہے کہ وہ محض ایک تعلیمی ادارہ ہی نہیں ہے جس میں صرف قوت ادراک کو تیز کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہو، بلکہ وہ اسلامی آداب و اخلاق، ذہن و فکر، تہذیب نفس اور تعمیر سیرت کی ایسی تربیت گاہ بھی ہے جس میں رہ کر طالب علم اسلامی تہذیب و معاشرت سے قریب تر اور اس کا خوگر ہو جاتا ہے، اور صرف دار العلوم سے علمی ہی استفادہ نہیں کرتا بلکہ اساتذہ کے پاکیزہ اخلاق اور ان کی روحانیت سے بھی اثر پذیر ہوتا ہے نیز زندگی کی جد و جہد میں ایثار و قربانی، تحمل و جفاکشی، خود اعتمادی، امانت و دیانت کی عادت مخلوق الٰہی کی خدمت اور بڑے سے بڑے مصائب کو برداشت کرنے کا عادی بن جاتا ہے، تاکہ اپنی مخصوص صلاحیتوں سے اُس مقصد کو پا سکے جو علماء کے لئے نہایت ضروری ہے، فضلائے دار العلوم کی یہ وہ خصوصیت ہے جس کو دیکھنے والا وہیں تک میں محسوس کر سکتا ہے!

مصارف کا حل | اس موقع پر دار العلوم کی اس خصوصیت کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ دار العلوم کے اس تعلیمی نظام کو چلانے کے لئے سب سے بڑا اور اہم مرحلہ اس کے مصارف کا مسئلہ تھا سلاطین و امراء جو دار العلوم کے قیام سے پہلے درس گاہوں کی سرپرستی کیا کرتے تھے اُن کا دور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد ختم ہو چکا تھا، اور امراء کا جو گروہ باقی رہ گیا تھا اس کا موجودہ حکومت کے زیر اثر ہونا لازمی تھا، ادھر دار العلوم کو حکومت کے اثرات سے بچانا ناگزیر تھا اور امراء کی شرکت سے حکومت کے اثرات کے نفوذ کا قوی اندیشہ تھا، ایسے مایوس کن اور بہت شکن حالات میں اکابر دار العلوم کی دُور بین و دوررس نگاہوں نے بروقت اس نزاکت کا احساس اور جائزہ لیا، انھوں نے امراء کے بجائے جن پر اب تک ایسے کاموں کا مدار تھا عوام کی جانب ہاتھ بڑھایا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"قطرہ قطرہ بہم شود دریا" کی عملی مثال قایم کردی، اس سے قبل "اجتماعی اصول پر مدارس و انجمن قایم کرنے، چندہ جمع کرنے، سالانہ روداد شائع کرتے اور عوام کو بصورت جلسہ جمع کر کے عملی نتائج دکھلانے کے طریقہ سے لوگ واقف نہ تھے، دارالعلوم نے یہ مثالیں پیش کر کے ملک اور قوم کے لئے ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی اس مثال نے ملک کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیا، حصولِ سرمایہ کے لئے ہندوستان میں یہ پہلا تخیل تھا جو عملاً کامیاب ثابت ہوا، اس نسخہ کیمیا کا ہاتھ آنا تھا کہ جا بجا اس کے اتباع و تقلید میں مدارس جاری ہونے شروع ہو گئے چنانچہ قیام دارالعلوم (۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء) کے چھ سات ماہ بعد سہارنپور میں مظاہر علوم اسی اصول پر قایم ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ جگہ جگہ مدارس جاری ہو گئے، عام قومی چندے کی یہ کامیاب ترکیب ایسی عمدہ اور سہل تھی کہ ہر جگہ اس پر عمل کیا جا سکتا تھا چنانچہ آگے چل کر یہ طریقہ اس قدر کامیاب اور مقبول ثابت ہوا کہ چند ہی سالوں میں مدارس عربیہ سے متجاوز ہو کر اسکولوں، کالجوں، انجمنوں اور دوسرے اداروں تک عام ہو گیا دارالعلوم کے قیام کے آٹھ نو سال بعد ۱۸۷۵ء میں علی گڈھ کالج بھی اسی اصول پر قایم ہوا، اور پھر جوں جوں اس نظریہ کا تجربہ عام ہوتا گیا، لوگوں کی ہمتیں بڑھتی گئیں، اور آج بے شمار قومی اداروں کی اساس اسی نظریہ پر قایم ہے، حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کے اس تخیل کی کامیابی نے آج قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا ہے، اس بارے میں تمام ادارے جو عام چندوں پر قایم ہیں دارالعلوم ہی کے مرہون احسان ہیں۔

دارالعلوم نے چندہ کا جو نظام قایم کیا وہ نہایت آسان اور سہل تھا، چنانچہ سال اول جو روداد شائع کی گئی اس میں چندہ کے بارہ میں یہ تصریح کر دی گئی تھی کہ "چندہ کی کوئی حد نہیں ہے (یعنی ایک پیسہ کا بھی چندہ دیا جا سکتا ہے) اور نہ چندہ میں مذہب و ملت کی کوئی خصوصیت ہے" چندہ کے لئے نقد ہونا بھی ضروری نہ تھا بلکہ غیر منقود اشیاء، کھانا، کپڑا، کتابیں وغیرہ دوسری چیزیں بھی دی جا سکتی تھیں، چندہ میں یہ توسع بہت مفید کار آمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندازہ سے بڑھ کر تحیر خیز ثابت ہوئی، اس سہولت کے ماتحت جو لوگ نقد چندہ دینے کی گنجائش نہ رکھتے تھے ان کو بھی کسی نہ کسی طرح شرکت کا موقع مل گیا، جو دارالعلوم کے لئے بہرحال مفید ثابت ہوا۔

چندہ دہندگان کے اس اطمینان کے لئے کہ اُن کے چندہ کا مصرف کیا ہے اور اس سے کیا عملی نتائج برآمد ہو رہے ہیں، اس امر کے اظہار و اطلاع کے لئے دارالعلوم نے ابتداء قیام سے سالانہ روداد کی اشاعت کو ضروری قرار دیا ہے، جو پورے التزام کے ساتھ ہر سال شائع کی جاتی ہے

ایک شبہ کا ازالہ: خواجہ الطاف حسین صاحب حالی نے حیات جاوید میں مدارس عربیہ کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"جوں جوں "تہذیب الاخلاق" مدرسۃ العلوم (علی گڑھ کالج) کی طرف لوگوں کو بلاتا تھا اور جس قدر وہ انگریزی تعلیم کی ضرورتیں اُن کے ذہن نشین کرتا تھا اسی قدر مدارس اسلامیہ قایم کرنے کا جوش مسلمانوں میں بڑھتا جاتا تھا چنانچہ اُسی کی تحریک سے بے شمار اسلامی مدرسے ہندوستان میں قایم ہو گئے اور برابر ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

خواجہ صاحب نے مدارس عربیہ کے قیام کا یہ ذکر "تہذیب الاخلاق" کے نتائج کے عنوان کے تحت کچھ اس انداز سے کیا ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مدارس عربیہ کے قیام کا باعث "تہذیب الاخلاق" کی دعوت کا ردعمل تھا، وہ جوں جوں قوم کو انگریزی تعلیم کی طرف بلاتا تھا، لوگوں میں مدارس عربیہ کے قایم کرنے کا جوش بڑھتا جاتا تھا، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے لئے مدارس عربیہ کے قیام" اور "تہذیب الاخلاق" کے جاری ہونے کی تاریخ کا جان لینا کافی ہوگا، حیات جاوید میں خود خواجہ صاحب نے لکھا ہے

یکم شوال ۱۲۸۷ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو اُس کا (تہذیب الاخلاق) نمبر اول شائع ہوا اور اس کے بعد شوال ۱۲۸۷ھ سے رمضان ۱۲۹۲ھ تک یعنی پورے چھ سال برابر نکلتا رہا۔ (حیات جاوید ص ۱۳۳ حصہ اول)

دارالعلوم ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں قایم ہوا اس کے ٹھیک چھ ماہ کے بعد سہارنپور میں مظاہر علوم کا قیام عمل میں آیا، اور چند ہی سال میں دیوبند اور سہارنپور کے علاوہ مظفرنگر، میرٹھ، امروہہ، مرادآباد، لکھنؤ اور گلاؤٹھی وغیرہ مقامات میں مدارس عربیہ قایم ہو گئے بعد کو رفتہ رفتہ تقریباً سارے ہندوستان میں دیوبند کی تقلید میں عربی کے مدارس جاری ہو گئے۔

© rasailojaraid.com